***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296 Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Curriculum Challenges Faced by Primary School Students and Their Solutions

Kainat Rafique
MS Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila
kainatrafique0@gmail.com
Dr. Manzoor Ahmed Al-Azhari
Associate Professor, Department of Islamic Studies HITEC University
maalazhari1@gmail.com

ABSTRACT
Education is the foundation of individual and social progress, yet today's primary education system often becomes a burden rather than a source of learning and joy. The paper highlights key issues such as the excessive weight of school bags, lack of effective teacher training, exam pressure, outdated teaching methods, and unnecessary homework. These factors collectively harm children's physical and mental health, reduce their interest in learning, and hinder the development of creativity and critical thinking. The study argues that the curriculum should be simplified and aligned with children's natural abilities and interests. It emphasizes the importance of activity-based learning, age-appropriate admission, elimination of unnecessary homework, and assessment through observation rather than stressful exams. The paper also stresses the shared responsibility of parents, teachers, and educational institutions in providing a supportive environment. Drawing guidance from the Qur'an and Hadith, it concludes that true education is not just the acquisition of knowledge but also the cultivation of moral character, social responsibility, and spiritual growth. A balanced, ethical, and learner-centered system inspired by Islamic principles can produce a creative, responsible, and morally upright generation.

Keywords: *Education, Knowledge, Islamic Principles, Responsibility.*

تعلیم کے معنی ہیں کہ افراد میں علم اس انداز میں منتقل کرنا کہ یہ طالب کے دل پر اس طرح سے اثر انداز ہو کہ یہ اسکی معاشرتی زندگی میں مفید ثابت ہو۔ اسی لئے تعلیم و تعلم ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ تعلیم انسانی زندگی میں بہت اہمیت کی حامل ہے، تعلیم کے بل بوتے پر ہی انسانی معاشرہ معاشی اور معاشرتی طور پر ترقی کرتا ہے۔ اس کی بدولت ہی افراد میں آگے بڑھنے کا شوق اور لگن بڑھتی ہے اور وہ اپنے حقوق و فرائض کو جانتے ہوئے ادا کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیئے اور ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لیے تعلیم ایک بہترین آلہ کار ہے جس کی مدد سے ہم دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

پرائمری اسکول زندگی کے ابتدائی سالوں میں بچوں کا تعلیم کی طرف پہلا قدم ہے، ایک ایسی جگہ جہاں بچے پہلی بار باقاعدہ تعلیمی نظام سے روشناس ہوتے ہیں اور ان کی ذہنی، جسمانی اور سماجی ترقی کی ابتدا ہوتی ہے۔ پرائمری تعلیم کا شعبہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ بچوں کا یہ سفر اس صورت میں دلچسپ ہوتا ہے جب ان کی ہم نصابی سرگرمیاں اتنی پرکشش ہوں کہ وہ شوق سے تعلیم حاصل کریں۔ ایک اچھے اور خوشگوار ماحول کے ساتھ ایک تربیت یافتہ استاد کا ہونا نہایت ضروری ہے جو ان کی ہر معاملے میں رہنمائی کرے۔

نصابی مشکلات:

۱۔بھاری بھر کم بستہ:

نجی پرائمری اسکول کے طلباء کا سب سے گھمبیر مسئلہ بچوں کا بھاری بھر کم بستہ ہے جس میں ۵ کتابوں کے ساتھ ۵ ہی کاپیاں، ڈائری، جیومیٹری بکس، پانی کی بوتل اور لنچ بکس شامل ہے، یہ بھاری بستہ اسکول کے اعلی معیار کی ضمانت ہے۔ بچوں کا بھاری، کتابوں سے بھرا ہوا بستہ اٹھانا ان کی صحت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ بچوں کے اپنے وزن سے زیادہ وزن اٹھا کر اسکول جانا پڑتا ہے جس سے تھکاوٹ ان کے چہروں سے واضح محسوس کی جاسکتی ہے اور ان میں کمر اور گردن میں درد اور ہڈیوں کی بیماریاں پیدا ہو جانے کا خدشہ ہے۔ ماہرین صحت کے مطابق اپنی بساط سے زیادہ وزن اٹھانے والے بچوں کو مستقبل میں ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف، کمر درد اور اعصابی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس بھاری بستے کو دیکھنے والے تو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہی بچے ہماری قوم کے معمار ہیں لیکن ان بستوں کی وجہ سے ان بچوں کے لیے صبح اٹھ کر تیار ہو کر اسکول جانا ہی مشکل ہے اس پر متضاد یہ کہ اتنا بھاری بستہ ان کے اسکول جانے کی دلچسپی کو ختم کر رہا ہے۔ ہم اپنے بچوں پر چھوٹی جماعت سے ہی اتنا بوجھ ڈالتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دباؤ میں رہتے ہیں ہم اس بوجھ کو ہر روز اٹھانے والے بچوں سے ایک اچھے تعلیمی ریکارڈ کی امید کیسے کر سکتے ہیں جو معاشرے کی کامیابی کا باعث بن سکیں۔

۲۔تربیت میں کمی:

اگر اس سارے نصاب پر نظر ثانی کی جائے تو انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر ہم اپنے بچوں سے کروانا کیا چاہ رہے ہیں؟ اتنی چھوٹی جماعت میں اتنے سارے مضامین پڑھانے کی وجہ آخر کیا ہے؟ بچوں کو ایک ایک کتاب میں اتنی ساری چیزیں دے دی گئی اور پڑھائی جا رہی ہیں جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں اور ایک بوجھ کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں۔ کتاب میں اتنے سارے موضوعات موجود ہیں لیکن ان تمام کو سمجھنے کے بجائے صرف اور صرف زبانی یاد کروا دیا جاتا ہے بچے تمام مضامین کو ایک رٹو طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں اور اسی طرح بغیر سوچے سمجھے جا کر امتحان میں لکھ آتے ہیں اور نمایاں کارکردگی دیکھتے ہوئے اس بات کو بہت پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے کہ آیا یہ تعلیم، یہ کتابیں، یہ نصاب انکی تربیت بھی کر رہی ہیں یا صرف آگے جانے کی دھن میں یہ سفر بغیر کسی پس و پیش کے جاری ہے۔ ہمارے نصاب میں اخلاقیات مثلاً جھوٹ سے پرہیز، چوری، دھوکہ، کو غلط کہہ کر اس پر پورے دو، دو صفحات کے اسباق لکھ دیے گئے ہیں لیکن ظاہری طور پر یہ اخلاقی خصوصیات بچوں میں نظر کیوں نہیں آتی؟ کیا طلباء کو واقعی اتنی کتابوں کا بوجھ اٹھانے کی ضرورت ہے؟ کیوں ہمارا معاشرے اتنے تعلیمی ادارے ہونے کے باوجود بھی پستی کا شکار ہے؟ کیوں ہم زندگی کے ہر میدان میں ناکام ہو رہے ہیں؟ ہمارا معاشرہ کیوں ترقی نہیں کر رہا؟ ہم ایک کامیاب قوم ہونے کا مقام آج تک کیوں حاصل نہیں کر سکے؟

۳۔امتحانات کا دباؤ:

نجی اسکولوں میں طلبا پر امتحانات کا دباؤ اس قدر ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت امتحان کی تیاری اور ان میں زیادہ نمبر لینے کی ٹینشن ان کے سر پر ایک تلوار کی طرح لٹکتی رہتی ہے۔ ہر مہینے کے بعد امتحان یا ٹیسٹ لیے جا رہے ہوتے ہیں اور اس امتحان میں دیئے جانے والے سلیبس کو جلد از جلد ختم کروا کے اس سارے کا رٹا لگوا دیا جاتا ہے یہ جانے بغیر کے جو کچھ بھی پڑھایا گیا ہے اس میں سے کچھ بچے کو سمجھ بھی آیا ہے یا صرف سر سے اتار کر مکمل کروا کے کام ختم کیا گیا ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام میں اس قدر نقائص ہیں کہ اساتذہ امتحان سے پہلے طلباء کو یہ تک بتا دیتے ہیں کہ اس کورس میں امتحانی لحاظ سے کون سا موضوع اہم ہے تاکہ وہ اسی موضوع کو اچھے سے یاد کر لے اور امتحانات میں نمایاں کارکردگی دکھا سکیں، یہ عمل استاد اور طلبا دونوں کے لیے فخر کا باعث ہو گا۔

۴۔سیکھنے کے طریقوں کا فقدان:

بعض اوقات اساتذہ ایک ہی طریقہ تدریس پر زور دیتے ہیں، جو کہ کتاب سے دیکھ کر من و عن یاد کرنا ہے، جس سے طلبا کو مفہوم سمجھنے کے بجائے زبانی یاد کرنے عادت بن جاتی ہے۔ مختلف طریقے جن میں تجربات، اساتذہ کی طلبا کے ساتھ موضوع سے متعلق بحث، نئے خیالات کا تبادلہ کرنے کے مواقع میسر نہیں ہوتے۔ وہ صرف امتحانات پاس کرنے پر توجہ دیتے ہیں اور علم کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے۔ اس میں اساتذہ کی بھی کچھ خاص غلطی نہیں گردانی جاسکتی کیونکہ وجہ یہ ہے کہ اساتذہ کے ہاتھوں میں اسکول انتظامیہ کی طرف سے پورا اسباق کا پلان ہوتا ہے جس کو انہوں نے مقررہ وقت کے اندر کسی بھی صورت میں ختم کرنا ہوتا ہے۔ سیکھنے سے زیادہ نصاب کو مکمل کرنا نہایت ضروری ہے، توجہ طلب بات یہ ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالی نے دوسرے سے مختلف بنایا ہے ہر ایک کی ذہنی صلاحیت دوسرے سے مختلف ہے کوئی بچہ ایک ہی بار میں سب سیکھ جاتا ہے جبکہ کچھ بچوں کے لیے بار بار دہرائی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اساتذہ کے پاس ان بچوں کو دینے کے لیے خصوصی وقت نہیں ہوتا کیونکہ انہیں تمام سلیبس ایک، مقررہ وقت میں مکمل کرنی ہوتی ہیں اور یہ وجہ بہت سے بچوں کی ناکامی کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ ہوم ورک کا تصور:

۱۰ سال سے کم عمر بچوں کے لئے ہوم ورک بالکل ایک غیر ضروری چیز ہے کیونکہ اس عمر کے بچے جو بھی سیکھتے ہیں وہ اسکول میں ہی سیکھتے ہیں انہیں ہوم ورک دینا صرف تھکا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ابتدائی تعلیم کا مقصد صرف اور صرف بچوں کی تعلیم سے محبت اور دلچسپی پیدا کرنا ہے نہ کہ ان پر ایسا بوجھ ڈالنا جو اسے اسکول اور کتابوں سے ہی متنفر کر دے، اور وہ پڑھائی کو اپنے لئے ایک بوجھ تصور کریں۔ اس اضافی کام کے لئے بچوں کو مدد کے لیے کسی بڑے کی ضرورت ہوتی ہے دوسروں سے مدد لینے سے بچے کے خود دیکھ کر دکھانے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ دوسروں پر انحصار کرنے لگتا ہے۔ والدین کی طرف سے بھی بچوں کو یہ سننے کو ملتا ہے کہ ہوم ورک مکمل کیا ہے یا نہیں؟ ہوم ورک مکمل ہو گیا سن لینا والدین کے لیے کافی ہے یہ جانے بغیر کہ اس سے بچے نے کیا سیکھا اور اس سے بچے پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔

بچوں پر نصابی مشکلات کے اثرات:

ان اسکولوں میں بچوں پر ابتدا ہی سے ایسا غیر ضروری اور غیر متوازن تعلیمی دباؤ ڈالا جاتا ہے جو ان کی جسمانی، ذہنی اور جذباتی نشوونما کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور تعلیم کو ایک خوشگوار تجربے کے بجائے محض بوجھ بنا دیتا ہے۔ بھاری بستوں کا وزن بچوں کی صحت پر منفی اثر ڈالتا ہے اور اسکول سے دلچسپی کم کر دیتا ہے۔ نصاب میں ایسے بے شمار مضامین اور پیچیدہ موضوعات شامل ہوتے ہیں جو بچوں کی سمجھ سے باہر ہیں، جس کے باعث وہ صرف رٹنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں اور عملی تربیت و کردار سازی پیچھے رہ رہی ہے۔ بار بار کے ٹیسٹ اور امتحانات کا دباؤ بچوں میں خوف اور بے چینی پیدا کرتا ہے، جبکہ اساتذہ نصاب ختم کرنے کی جلدی میں انہیں اصل مفہوم سمجھانے سے قاصر رہتے ہیں۔ تدریسی طریقے بھی زیادہ تر فرسودہ ہیں، جن میں بچوں کی انفرادی صلاحیتوں یا سیکھنے کی رفتار کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ کم عمر بچوں کو غیر ضروری ہوم ورک دینا ان میں تھکن، بیزاری اور سیکھنے سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے، جس سے نہ خود اعتمادی فروغ پاتی ہے اور نہ تخلیقی صلاحیت نکھرتی ہے۔ نتیجتاً بھاری بستہ، غیر متوازن نصاب، امتحانات کا دباؤ، پرانے تدریسی طریقے اور ضرورت سے زیادہ ہوم ورک، سب مل کر بچوں کو کم عمری میں ہی ذہنی و جسمانی دباؤ کا شکار بنا دیتے ہیں اور معاشرہ ایک باشعور، تخلیقی اور باصلاحیت نسل تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

موجودہ دور کا نصاب اس قدر بھاری اور پیچیدہ ہے اور یہ بچوں کے لیے ایک اضافی بوجھ بن چکا ہے۔ بچوں کی ذہنی سطح اور دلچسپی کو مدنظر رکھنے کے بجائے زیادہ تر توجہ نصاب جلد ختم کرنے اور امتحانات میں زیادہ نمبر دلانے پر مرکوز ہوتی ہے۔ والدین بھی یہ تصور رکھتے ہیں کہ جس اسکول میں کتابیں زیادہ اور نصاب مشکل ہو، وہی بہتر ہے، اسی لیے وہ بھاری فیسیں ادا کرتے اور بچوں سے غیر معمولی نتائج کی توقع رکھتے ہیں۔ جب توقعات پوری نہیں ہوتیں تو بچوں پر مزید دباؤ ڈالا جاتا ہے اور ان کا دوسروں سے موازنہ کیا جاتا ہے، جس سے وہ ذہنی تناؤ اور پڑھائی سے بے زار ہو جاتے

ہیں اور کچھ بھی سیکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ آزادانہ اظہار، نئے خیالات یا عملی تجربات کے مواقع نہ ملنے سے تجسس اور اختراعی سوچ آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔

قرآن واحادیث کی روشنی میں مجوزہ حل:

ان تمام مسائل کے حل کے لیے قرآن واحادیث کے روشنی میں کچھ تجاویز پیش کے جارہی ہیں جن پر عمل کر کے ہم اپنے تعلیمی نظام کو بہتر کر سکتے ہیں:

اسلام دینِ علم ہے جو انسان کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم و عرفان کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی وحی کا آغاز ہی **"اقرأ" یعنی "پڑھ"** کے حکم سے ہوا، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام نے علم کی اہمیت کو کس قدر بلند مقام دیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق علم ایک ایسا ہمہ گیر عمل ہے جو انسان کو خود اپنی حقیقت، اپنے معاشرے، کائنات کے نظام، اپنے خالق اور اس کے احکامات کی پہچان کراتا ہے۔ علم کے بنیادی ذرائع دو ہیں:

وحی جو انبیائے کرام کے ذریعے ہم تک پہنچی اور دوسرا انسانی تجربہ و مشاہدہ، جس میں عقل و حواس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ذرائع الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے مددگار اور تکمیل کرنے والے ہیں۔ کیونکہ قرآن بار بار انسان کو عقل استعمال کرنے اور اللہ تعالی کے نظام قدرت میں غور و فکر کرنے کے دعوت دیتا ہے۔ اسلام نے علم کو دینی و دنیاوی خانوں میں تقسیم نہیں کیا، دنیا اور آخرت دونوں ہی اللہ کی تخلیق ہیں اور ہر انسان کے لیے دونوں کی اہمیت کو پہچاننا از حد ضروری ہے، کیونکہ اسلام کے نزدیک دنیا اور آخرت ایک ہی سفر کے دو مرحلے ہیں۔ دنیا کی فہم آخرت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تلقین کی گئی ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ[1]

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے۔

اس آیت مبارکہ کے مطابق دینوی اور دنیاوی دونوں میں بھلائی اور اچھائی طلب کرنا ہے۔ دنیاوی تعلیم کو دین سے الگ نہیں کیا جا سکتا لیکن ہمارا موجودہ تعلیمی نظام اگرچہ پروفیشنل افراد پیدا کر رہا ہے، لیکن ان میں اخلاقی اقدار، انسان دوستی، اور خدمت خلق کا جذبہ ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ آج تعلیم صرف ڈگری کے حصول، ملازمت کی دوڑ اور مادی کامیابی تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، جس نے طالب علموں کو خود غرضی، مفاد پرستی اور مقابلہ بازی میں الجھا دیا ہے۔ اس نظام سے فارغ التحصیل ہونے والا ڈاکٹر، انجینئر، وکیل یا تاجر اکثر انسانی ہمدردی اور اخلاقیات سے خالی نظر آتا ہے۔ وہ دوسروں کو صرف اپنے فائدے کا ذریعہ سمجھتا ہے، حتیٰ کہ کئی مرتبہ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کی زندگیوں سے بھی کھیل جاتا ہے۔ وجہ صرف اتنی ہے کہ بچپن سے ہی گھر اور اسکول میں یہ بات ذہن نشین کروائی جاتی ہے کہ تعلیم کے حصول کا مقصد پیسہ کمانا ہے۔ جب ہی موجودہ تعلیمی نظام صرف ڈگری یافتہ افراد پیدا کرتا ہے، باکردار انسان نہیں۔ آج دنیا کے بڑے بڑے فیصلے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کرتے ہیں لیکن پھر بھی ظلم، استحصال اور انسانی حقوق کی پامالی عام ہے۔ تعلیم یافتہ مگر بے حس افراد، جو ظاہری طور پر مہذب مگر باطنی طور پر خالی ہوتے ہیں یہی معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں۔

[1] : البقرۃ۲: ۲۰۱

اسلامی تعلیمات نہ صرف علم حاصل کرنے کی تلقین کرتی ہیں بلکہ اس علم کو اخلاقیات، انسانیت اور تقویٰ کے دائرے میں مقید کرتی ہیں۔ ایک ایسا شخص جو علم تو رکھتا ہو لیکن اس کے عمل میں خدمت خلق اور اخلاقی پاکیزگی نہ ہو وہ اسلام کی نظر میں بے سود ہے۔ نجات اسی علم کے ذریعے ممکن ہے جو انسان میں احساس، ہمدردی، اور معاشرتی ذمہ داری پیدا کرے۔ قرآن و سنت ہمیں سکھاتے ہیں کہ علم کے ساتھ ساتھ کردار کی بلندی، دوسروں کے حقوق کا احترام، اور انسانیت کی خدمت لازمی ہے۔ جو عالم اپنے ہمسایے کو تکلیف دیتا ہے یا مسکین کا خیال نہیں رکھتا، اس کا علم اسے نجات نہیں دے سکتا۔ لہٰذا موجودہ نظام تعلیم کی اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایسا نظام قائم کریں جو علم کے ساتھ ساتھ اخلاقیات، ایمانداری، قناعت، خدمت خلق اور احترامِ انسانیت کو بھی لازم قرار دے۔ ایسا متوازن تعلیمی نظام ہی بہتر انسان اور مثالی معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کا مقصد ایک ایسا متوازن اور منصفانہ معاشرہ تشکیل دینا ہے جو عدل و انصاف، حق پرستی، پاکیزگی، حسنِ اخلاق، نیک سیرت، امن و سکون، شائستگی، دیانت داری اور اللہ کی بندگی پر مبنی ہو۔ اسلام انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے علم کو ایک مؤثر اور بامقصد ذریعہ سمجھتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کا ہدف صرف معلومات کا حصول نہیں بلکہ انسان کی شخصیت کی ہمہ جہت تعمیر ہے۔ اس میں فرد کی جسمانی، دینی، روحانی، جذباتی، سماجی اور معاشی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی تربیت کی جاتی ہے، تاکہ وہ ایک باکردار، متوازن اور مفید شہری بن سکے۔ یوں تعلیم انسان کو نہ صرف اپنے آپ کی پہچان کرواتی ہے بلکہ معاشرے کی بھلائی میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بھی بناتی ہے۔

اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی دولت سے نوازنے کے بعد انہیں سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا جو کہ علم کی اہمیت و فضیلت بیان کرتا ہے کہ جس وجہ سے اللہ تعالی نے انسان کو عزت و تکریم بخشی ہے وہ علم کی دولت ہی ہے، جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے بہت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے:

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىٕكَةِۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ- قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَاؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ- قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ-[2]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھا دیے پھر ان سب اشیاء کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔ (فرشتوں نے) عرض کی: اے اللہ! تو پاک ہے، ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا، بے شک تو ہی علم والا، حکمت والا ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا: اے آدم! تم انہیں ان اشیاء کے نام بتا دو، تو جب آدم نے انہیں ان اشیاء کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا: اے فرشتو! کیا میں نے تمہیں نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی چیزیں جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

تعلیم وہ بنیاد ہے جس پر ایک مہذب، ترقی یافتہ اور پائیدار معاشرہ تعمیر ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ علم نے ہی انسان کو جہالت، کمزوری اور پسماندگی سے نکال کر ترقی، روشنی اور فلاح کی راہ دکھائی۔ جیسے جیسے زمانہ ترقی کرتا گیا، تعلیم کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ آج کے سائنسی، صنعتی اور ٹیکنالوجی سے بھرپور دور میں تعلیم نہ صرف ترقی کا ذریعہ ہے بلکہ اقوام کی بقا کی ضامن بھی ہے۔ دنیا کی وہ قومیں جو آج عالمی سطح پر ترقی یافتہ اور باوقار سمجھی جاتی ہیں، ان کی کامیابی کا راز مضبوط تعلیمی نظام اور علم دوستی میں پوشیدہ ہے۔ ترقی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص کو کو بلا تفریق معیاری تعلیم کی سہولت میسر ہو۔ چاہے وہ کسی بھی علاقے، زبان، نسل، یا مذہب سے تعلق

[2] : البقرۃ۲: ۳۱-۳۳

رکھتا ہو، تعلیم تک اس کی رسائی یکساں ہونی چاہیے۔ تعلیم فرد کی عقل و شعور کو جلا بخشتی ہے، اس کی فکری، تخلیقی اور اخلاقی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتی ہے اور اسے ایک ذمہ دار اور باشعور شہری بننے کے قابل بناتی ہے۔

اسلام نے علم کو صرف دنیاوی ترقی یا مادی فائدے کا ذریعہ نہیں بلکہ انسان کی فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ تعلیم انسان کو نہ صرف اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ کرتی ہے بلکہ اسے اپنے معاشرتی، اخلاقی اور قومی کردار کو سمجھنے اور نبھانے کی تربیت بھی دیتی ہے۔ ایک ایسا تعلیمی نظام جو صرف روزگار کی فراہمی پر نہیں بلکہ انسان کی مکمل شخصیت کی تشکیل پر زور دیتا ہو، وہی حقیقی ترقی کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔ تعلیم نئی نسل کو مستقبل کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتی ہے، ان میں قیادت، خدمت، برداشت اور انصاف جیسے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوان معاشرے کے لیے نہ صرف معاشی طاقت بنتے ہیں بلکہ اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تعلیم محض حصولِ ملازمت کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک قوم کی فکری، اخلاقی اور تہذیبی زندگی کا مرکز و محور ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو علم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے اور تعلیم کو ہر فرد کا بنیادی حق سمجھے، وہی معاشرہ حقیقی معنوں میں ترقی، امن اور فلاح حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں جہاں علم کی اہمیت اور افادیت کی وضاحت کی گئی ہے وہیں اسے حاصل کرنے کے لیے کچھ اصول وضوابط بھی وضع کیے ہیں جن پر عمل کر کے ہم اپنے تعلیمی نظام کو بہترین کر کے ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

تعلیم کی اہمیت کو جان لینے کے بعد بچوں میں تعلیم اور سیکھنے کے عمل سے فطری دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم روایتی طرزِ تعلیم اور پرانے طریقوں سے گریز کریں، کیونکہ موجودہ دور میں ہم نے تدریس کے ایسے جدید اور متحرک انداز اپنانے ہیں جو بچوں کی فطرت، دلچسپیوں اور ذہنی سطح کے مطابق ہوں۔

۱۔ اسکول میں داخلے کی عمر کو بڑھانا:

موجودہ تعلیمی نظام میں بہت کم عمر میں ہی بچوں کو رسمی تعلیم کے دباؤ میں ڈال دیا جاتا ہے، جو کہ ان کی ذہنی، جذباتی اور سماجی نشوونما کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ انسانی ذہن کی نشوونما بتدریج ہوتی ہے۔ اور کسی بھی چیز کو سکھانے کے لیے اسے مختلف درجات میں تقسیم کر کے کم سے زیادہ کی طرف لے کر جایا جاتا ہے تاکہ اسکو سمجھنے میں آسانی ہو، اسلامی تعلیمات اس مسئلے میں بہترین راہنمائی کرتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا[3]

ترجمہ: اور ہم نے قرآن کو قسطوں میں اس لیے نازل کیا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، اور ہم نے اسے تدریجاً اتارا۔

اس آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن کو ۲۳ سال کے عرصے میں بتدریج اتارا ہے تاکہ لوگ اس میں نازل ہونے والے احکامات کو آہستہ آہستہ سمجھ کر قبول کریں اور اس پر عمل کریں۔

احادیث مبارکہ میں بھی یہ واضح ہے کہ تعلیم وتربیت مرحلہ وار کی گئی ہے تاکہ لوگ اس پر آسانی سے عمل پیرا ہو سکیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ کی دعوت و تعلیم میں ایک گہری حکمت، تدبر اور انسانی نفسیات کا عمیق فہم کارفرما تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے مشن کی بنیاد جس اصول پر رکھی، وہ تدریج یعنی قدم بہ قدم اصلاح اور تعلیم کا اصول تھا، جو نہ صرف مؤثر دعوت کا ضامن تھا بلکہ انسانی فطرت کے بھی عین مطابق تھا۔

---

3 : بنی اسرائیل ۱۷ : ۱۰۶

آپ ﷺ نے دعوتِ دین کا آغاز عقائد کی اصلاح سے فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تک انسان کے نظریات، عقائد اور سوچ کی بنیاد درست نہ ہو، اس وقت تک کسی بھی عملی حکم یا اخلاقی اصول پر پختہ عمل ممکن نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے توحید، رسالت، آخرت جیسے بنیادی عقائد کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور ان کے ذریعے لوگوں کو تعلیم دی تا کہ پہلے ان کے عقائد مضبوط ہو سکیں۔ جب ان عقائد پر لوگوں کا ایمان مضبوط ہو گیا اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، نبی کریم ﷺ کی صداقت اور آخرت کی جواب دہی کا شعور پکا ہو گیا، تو پھر عملی احکام بتدریج نازل کیے گئے۔ سب سے پہلے:

نماز: سب سے پہلے نماز کو فرض کیا گیا، جو بندے کا تعلق اللہ سے مضبوط کرتی ہے اور روحانی تربیت کا ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ: پھر مالی عبادت زکوٰۃ کا حکم آیا تا کہ لوگوں کے دلوں میں مال کی محبت ختم ہو، لوگوں میں ایثار کا جذبہ پیدا ہو اور معاشرتی استحکام قائم ہو سکے۔

روزہ: اس کے بعد رمضان کے روزے فرض کیے گئے، جو روحانی پاکیزگی، صبر اور ضبط نفس کا بہترین ذریعہ ہیں۔

حج: پھر وقت کے ساتھ جیسے ہی مسلمان اجتماعی طور پر مضبوط ہوئے تو استطاعت کی شرط رکھتے ہوئے حج کا حکم نازل ہوا، جو اجتماعیت، اتحاد، اور مساوات کا اعلیٰ مظہر ہے

صرف عبادات ہی نہیں، بلکہ اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات بھی بتدریج نازل کی گئیں:

حرمتِ شراب: شراب کو بھی درجہ بہ درجہ حرام کیا گیا کیونکہ اہل عرب شراب نوشی کے عادی تھے اور یکدم عادت کو ترک کر دینا مشکل ترین امر ہے اسی لیے پہلے اسے ناپسندیدہ قرار دیا گیا، پھر نشے کی حالت میں نماز سے منع کیا گیا، اور پھر بالآخر مکمل حرمت کا حکم دے دیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ[4]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔

حرمتِ سود: سود کی حرمت بھی قرآن کریم میں بتدریج آئی تا کہ معاشی نظام کو آہستہ آہستہ اصلاح کے راستے پر لایا جا سکے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً[5]

ترجمہ: اے ایمان والو! دُگنا دَر دُگنا سود نہ کھاؤ۔

یہ تدریجی حکمت عملی انسانی فطرت اور نفسیات سے ہم آہنگ تھی، کیونکہ انسان ایک محدود طاقت رکھنے والی مخلوق ہے۔ اچانک تبدیلی اس پر گراں گزرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی اصول پر عمل کر کے دینِ اسلام کو انسانوں کے لیے آسان، محبوب اور قابلِ عمل بنایا تھا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں ہمارے لیے یہ واضح سبق ہے کہ بچوں کی اصلاح کے لیے سخت اقدامات کے بجائے صبر، حکمت اور تدریج سے کام لینا زیادہ مؤثر اور پائیدار ہو گا۔ کیونکہ بچپن میں بچوں کا دماغ ابھی مکمل طور پر تیار نہیں ہوتا کہ وہ پیچیدہ تعلیمی تصورات کو گہرائی سے سمجھ سکیں۔ ان کی سیکھنے کی صلاحیتیں زیادہ تر مشاہدے، تجربے، اور باہمی روابط سے نشو و نما پاتی ہیں نہ کہ نصابی کتب سے۔

اس لیے بچوں کو اسکول میں ۶ سے ۷ سال کی عمر میں داخل کروانا چاہیے کیونکہ اس عمر میں بچے ذہنی نشو نما اور پختگی کی اس سطح کو پہنچ چکے ہوتے ہیں کہ وہ اسکول میں اساتذہ کی بتائی ہوئی ہر بات کو آسانی سے سمجھتے اور جلدی سے سیکھ سکتے ہیں۔ اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ دوستی، بات چیت اور بہتر

4: النساء ۴: ۴۳

5: آل عمران ۳: ۱۳۰

ین ٹیم ورک کی مہارتیں سیکھنے کے ساتھ ساتھ اسکول میں ہونے والی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں جس سے ان میں خود اعتمادی اور خود مختاری کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

ابتدائی عمر میں بچوں پر جن پہلوؤں سے توجہ دی جانی چاہیے وہ درج ذیل ہیں:

ا۔بچوں کو مل جل کر رہنا، بڑوں کا احترام جن میں اساتذہ اور والدین سرِفہرست ہیں اور بات چیت کے مناسب انداز سکھانا ضروری ہے۔

۲۔مادری اور قومی زبان، اسلامی تہذیب وثقافت اور معاشرتی اخلاقیات سے متعارف کرایا جائے تاکہ ان میں خود شناسائی کا شعور پیدا ہو سکے۔

۳۔بچوں میں فطرت کے حسین ردوبدل کے مشاہدے اور ان میں غور وفکر کی عادت پروان چڑھائی جائے۔

۴۔جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لیے مختلف کھیلوں میں دلچسپی دلوانا، ڈرائنگ اور مختلف تعمیراتی سرگرمیوں کا حصہ بنانا۔

اسکول میں داخلے کی عمر بڑھا کر ہم نہ صرف بچوں کو ان کے فطری ارتقاء کا موقع دے سکتے ہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں جو با شعور، متوازن اور تخلیقی ذہنوں پر مشتمل ہو۔

۲۔اسکول کے اوقات کار میں تبدیلی:

بچوں کے اسکول کے اوقات میں تبدیلی کی ضرورت ہے کیونکہ دیر سے اسکول جانے کی وجہ سے انہیں کھیل کود، آرام اور دیگر سرگرمیوں کے لیے وقت نہیں مل پاتا اور یہ معمول ان کی صحت اور تعلیمی کارکردگی پر بدترین اثرات مرتب کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطری ضروریات میں نیند کو شامل فرمایا ہے تاکہ وہ جسمانی اور ذہنی سکون حاصل کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا[6]

مفہوم": ہم نے نیند کو تمہارے لیے سکون وراحت کا ذریعہ بنایا ہے۔ "

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ رَّحْمَتِه جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِه وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔[7]

[6] :النبا ۷۸: ۹

[7] :القصص۲۸: ۷۳

ترجمہ: اوراس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل (روزی) تلاش کر سکو اور تا کہ تم شکر گزار بنو۔

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے رات کو انسان کے آرام کے لیے اور دن کو اس کے کام کاج کے لیے مقرر کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں رات کو دن سے پہلے ذکر کرنے کی اہمیت ظاہر یہ ہے کہ دن بھر کے کام کرنے میں کامیابی اور چستی رات کو مکمل اور پر سکون نیند لینے پر منحصر ہے۔

یہ حدیث مبارکہ سحر کے وقت اٹھنے کی اہمیت و فضیلت واضح کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ بَارِكْ لأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا[8]

ترجمہ: "اے اللہ! میری امت کے لیے ان کے صبح کے وقت میں برکت عطا فرما۔"

صحابہ اکرام بھی صبح کے وقت علم حاصل کرتے تھے کیونکہ وہ وقت ذہنی یکسوئی کا بہترین وقت ہوتا ہے۔ سائنس بھی اسلامی تعلیمات کی تائید کرتی ہے کہ طبی ماہرین کے مطابق صبح کے وقت اٹھنے والے افراد میں ذہنی سکون، جسمانی توانائی، فیصلہ سازی کی صلاحیت اور صحت ان افراد کے مقابلے میں بہترین ہوتی ہے جو رات کو دیر سے سوتے اور صبح دیر سے جاگتے ہیں۔ لہٰذا، سحر خیزی ایک معمول نہیں بلکہ فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

قرآن و حدیث کی تعلیمات اور صحابہ اکرام کے طرز زندگی پر عمل کرتے ہوئے اسکول کے اوقات کار فجر کے فوراً بعد یعنی صبح ۵ سے ۱۱ بجے تک کا وقت رکھا جائے کیونکہ صبح کے وقت دماغ تر و تازہ ہوتا ہے۔ جب بچوں کا اسکول ۱۱ بجے ختم ہو جائے گا تو ان کو بہت سا وقت میسر ہو گا وہ کھانے کے بعد آرام کر سکیں گے جس سے ان کی ذہنی اور جسمانی صحت بہتر ہو گی۔ موجوہ نظام میں بچوں کو آرام اور کھیل کود کا وقت نہیں ملتا جسکی وجہ سے وہ اکتاہٹ اور بیزاری کا شکار رہتے ہیں۔ صبح جلدی اٹھنا بچوں کے لیے ایک مشکل امر ہو گا اور کم نیند کی وجہ سے ان کی صحت متاثر ہو گی اس لیے بچوں کو رات کو جلدی سلانے کا معمول بنانا بے حد ضروری ہے۔ تا کہ وہ صبح اپنی نیند پوری کرنے کے بعد تر و تازہ اٹھ سکیں۔

ان النبي و كان يكره النوم قبلها والحديث بعدها[9]

ترجمہ: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس (یعنی نماز عشاء) سے پہلے نیند اور اس کے بعد باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی فرمان حکمت سے خالی نہیں ہے چنانچہ ان تمام تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اسکول کے اوقات کار میں تبدیلی کرتے ہوئے بچوں کے لیے آسانی کی جائے تا کہ وہ بہترین صحت کے ساتھ تعلیمی سلسلے کو جاری رکھ سکیں۔

۳۔ سرگرمی پر مبنی تدریس:

---

[8] : صحیح، ابن ماجہ ۲۲۳۶، صحیح وضعیف سنن الترمذی الالبانی: حدیث نمبر ۱۲۱۲

[9] : صحیح بخاري: کتاب مواقیت الصلاۃ: باب وقت العصر، ح ۵۴۷

روایتی لیکچر دینے کے بجائے سرگرمیوں پر مبنی تعلیم کو عمل میں لایا جائے:

۱۔ایک دن میں صرف تین سے چار مضامین کے پیریڈز رکھے جائیں جبکہ ہر پیریڈ کو دورانیہ ۳۰ سے ۴۰ منٹ ہو۔

۲۔جو بھی مضمون پڑھایا جارہا ہو اس میں بچوں کی شراکت داری لازمی قرار دی جائے،استاد کی بجائے طالب علم زیادہ سوالات کرے توجہ سے مشاہدہ کرے اور پھر استاد کو پیش کرے۔

۴۔ہر پیریڈ کے بعد ۱۵ سے ۲۰ منٹ کا وقفی لازمی طور پر فراہم کیا جائے تاکہ طلبہ جسمانی اور ذہنی طور پر تازہ دم ہو سکیں۔

۵۔تدریس کے دوران کہانیاں سنانا، سوال وجواب، مباحثہ، تصویریں بنانا اور کھیل جیسی سرگرمیوں کو شامل کیا جائے۔

۴۔مطالعے کی پختہ عادت :

بچوں میں مطالعہ کی فطری عادت کو فروغ دینے کے لیے:

۱۔روزانہ کی بنیادوں پر اخلاقی کہانیاں، سائنسی ایجادات، اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی مواد فراہم کیا جائے۔

۲۔کتب بنی کے ساتھ ساتھ سوال وجواب، موضوع پر غور وفکر، مباحثہ، اور مختلف موضوعات پر تجزیے اور تبصرے کیے جائیں تاکہ صرف معلومات ہی نہیں بلکہ تخلیقی صلاحیتیں، تنقید، فہم، میں بھی اضافہ ہو۔

۵۔ہوم ورک کا خاتمہ:

نظام تعلیم کی بہتری لیے ضروری ہے کہ ہوم ورک کو پرائمری سطح پر مکمل طور پر ختم کیا جائے، پرائمری طلباء کے لیے سیکھنے کی اصل جگہ اسکول اور بہترین وقت اسکول کے اوقات ہیں جہاں وہ مکمل تعلیمی ماحول میں مختلف سرگرمیوں کے ذریعے علم حاصل کر سکتے ہیں۔اسکول سے واپسی پر بچوں کے پاس سارا وقت آرام، کھیل کود، مختلف پسندیدہ مشاغل، تخلیقی سرگرمیوں اور خاندانی تعلقات کے لیے ہونا چاہیے تاکہ بچہ ایک متوازن شخصیت کا حامل ہو سکے۔

۶۔استاد کی اہمیت:

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ایک بامقصد اور مؤثر نظام تعلیم اسی وقت ممکن ہے جب معلم علم و اخلاق کا نگہبان ہو اور وہ اپنی تدریسی ذمہ داری کو اخلاص، نرمی اور دانائی کے ساتھ نبھائے۔ تعلیم کا حقیقی جوہر صرف معلومات کی ترسیل نہیں، بلکہ شخصیت سازی، فکری تربیت اور اللہ تعالیٰ کیا قرب حاصل کرنا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں واضح رہنمائی موجود ہے، قرآن کریم میں سورت الرحمن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْإِنسَان عَلَّمَهُ الْبَيَانَ[10]

ترجمہ: رحمٰن (اللہ) نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا، اسے بیان سکھایا۔

یہ آیات علم کی اہمیت اور معلم کی حیثیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ اللہ تعالی خود معلم ہیں اور اس نے تعلیم و تربیت کو انسان کی تخلیق کے ساتھ جوڑا ہے، اسی لیے استاد کو چاہیے کہ وہ محض علم کو لفظی طور پر نہیں بلکہ اس کے اخلاقی پیغام کو سکھائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إنَّ اللہَ رفيقٌ ، يُحِبُّ الرِفقَ في الأمرِ كلِّه[11]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، اور ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

ا۔ قرآن و حدیث مبارکہ کی تعلیمات کے مطابق اساتذہ کو چاہیے کہ وہ بچوں کے ساتھ سختی کے بجائے نرمی کا رویہ اختیار کریں اچھے انداز میں رہنمائی اور حوصلہ افزائی سے بچوں کو سیکھنے پر آمادہ کریں۔

۲۔ بچوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے دلکش، بامقصد اور آسان اسلوب پر تعلیم دیں، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مشکل موضوعات کو آسان کر کے سکھائے جائیں۔

۷۔ والدین کی ذمہ داری:

والدین اپنی اولاد کے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور اپنی اولاد کی دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت دینے کے نگہبان اور ذمہ دار ہیں۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا [12]

ترجمہ: اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

یہ آیت مبارکہ والدین کی اپنی اولاد کی تربیت اور اخلاقی ذمہ داریوں کو واضح کرتی ہے کہ والدین بچوں کو صرف اسکول میں داخل کروا کر اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو گھر میں اچھا اور پر سکون ماحول فراہم کرنا، ان کے اخلاقی طور پر بہترین تربیت کرنا از حد ضروری ہے۔

الا کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیتہ[13]

10 :الرحمن ۵۵: ا۔۴

144: صحيح الجامع -رقم الحديث أو الصفحة:7920- أخرجه البخاري 6927، ومسلم 2165 مطولاً

12 : التحریم ۶۶ : ۶

13 : صحیح بخاری، ح۱۳۸۷

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ان آیات اور حدیث مبارکہ کے مطابق والدین اپنی اولاد کے ہر عمل کے ذمہ دار ہے اور روز قیامت ان تمام معاملات کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

۸۔ تعلیمی اداروں کا کردار:

تعلیمی ادارے محض بلند درو دیوار اور خوبصورت عمارتوں کا نام نہیں، بلکہ ایسے مقدس مراکز ہیں جہاں نسلوں کی اخلاقی، فکری اور معاشرتی بنیادیں رکھی جاتی ہیں۔ اس خاص مقصد کی تکمیل کے اداروں کو ایسا ہونا چاہیے جہاں طلبہ خود کو محفوظ، باعزت اور قابلِ قدر محسوس کر سکیں۔ حصول علم کے دوران اگر طالب علم کو جبر و خوف کا سامنا کرنا پڑے، ان پر دباؤ ہو یا عزت نفس مجروح ہو تو ایسے مسائل ان کے سیکھنے کے عمل کو متاثر کرنے کے ساتھ ان کی شخصیت میں بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔ اس لیے تعلیمی اداروں کی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ:

ا۔ طلباء کے لیے پر امن، دوستانہ اور حوصلہ افزاء ماحول کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے جہاں سوچنا، سوال کرنا، اور اپنی رائے دینا جرم کے بجائے ترقی کی علامت سمجھا جائے۔

۲۔ طلبہ کے مسائل کی سنوائی اور ان کی دی گئی تجاویز پر سنجیدگی سے غور و فکر کرتے ہوئے عمل درآمد کرنا تعلیمی اداروں کی اخلاقی ذمہ داری ہے کیونکہ ایک کامیاب اور فعال نظام تعلیم وہی ہوتا ہے جو اپنی نئی نسل کی آواز کو اہمیت دے۔

۳۔ تعلیمی ادارے ایسی جگہیں ہیں جہاں صرف پیشہ ور افراد تیار نہیں کیے جاتے بلکہ، باشعور باکردار اور بااخلاق انسانوں کی ایسی تربیت کی جاتی ہے، جو نہ صرف اپنی زندگی سنوارتے ہیں بلکہ معاشرے کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

۴۔ طلبہ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو دریافت کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنا اور ان صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے ادبی، ثقافتی، سائنسی، اور سماجی سرگرمیوں کا انعقاد کرنا لازمی ہے۔

۵۔ اگر ہمارا نظام تعلیم اسی طرح محض نمبروں، امتحانات، اور ڈگریوں تک محدود رہا، تو ایسی تعلیم ہمارے معاشرے کو پستی کی گہرائیوں میں لے جائے گی اسی کے سدباب کے لیے ہمیں ایسا نظام چاہیے جو نہ صرف ذہانت بلکہ مضبوط اور اعلی کردار کے ساتھ ساتھ فرد میں احساسِ ذمہ داری، اور قومی شعور پیدا کرے۔

۹۔ ٹیکنالوجی کا استعمال:

آج کے جدید دور میں ٹیکنالوجی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکی ہے اور کسی بھی قوم یا فرد کی ترقی کا انحصار ٹیکنالوجی سے استفادے پر ہے۔ آج کے بچوں کو بہترین ٹیکنالوجی کا طریقۂ استعمال، اور اس سے استفادہ کی صورتوں کی مکمل معلومات دینا ازحد ضروری ہے اور ساتھ ساتھ اسی ٹیکنالوجی کے استعمال سے مشکل تصورات کو ویڈیو کی صورت میں آسان اور دلچسپ بنا کر سکھایا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ بنیادی مہارتوں پر توجہ دینا:

۱۔اپنی قومی زبان (اردو) کی ترویج ضروری ہے کیونکہ زبان ہی کسی بھی ملک کی تہذیب وثقافت کی پہچان ہے ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں بول چال، پڑھائی لکھائی، مختلف کہانیوں کے ذریعے زبان کی سمجھ پیدا کرنا۔

۲۔انگریزی چونکہ بین الاقوامی زبان ہے اور نہایت افسوس کے ساتھ آج کے دور جدید میں ترقی کی ضامن بھی یہی ہے۔ایک ترقی پذیر ملک ہونے کی وجہ سے یہ زبان سیکھنا اور اس کو بہتر طور پر سمجھنا بہت ضروری ہے کیونکہ اسی زبان کو سیکھ کر ہی ہمیں ترقی کرنی ہے تاکہ علم اور ترقی کے میدان میں ہم غیر مسلموں سے آگے بڑھ سکیں۔

۳۔ریاضی کو بنیادی طور پر سیکھنا جس میں جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، وقت اور پیمائش، مختلف اشکال کی پہچان جیسی اہم چیزوں کو سیکھنا۔

۴۔اسلامیات میں دین کے بنیادی عقائد، ارکان عملی طور پر سکھانا، بتدریج اخلاقیات کا درس دینا اور قرآن کو تجوید کے ساتھ خوبصورت انداز میں پڑھانا۔

۱۱۔کتابوں کی تعداد میں کمی:

۱۔اول تا پنجم جماعت کے طلبا کے لیے ۶ سے ۸ کتب کی بجائے ۳ سے ۴ کتب ہونی چاہیے، جن میں بنیادی معلومات سکھانا مقصود ہو، جیسے مادری زبان میں روانی اور پختگی، ابتدائی لکھائی، ابتدائی حساب وغیرہ۔

۲۔پہلے دو سال صرف زبان سکھائی جائے اس کے ساتھ اخلاقیات سکھائی جائیں، بچپن ہی سے اخلاق میں پختگی اس کی آئندہ زندگی کو نیکی پر گامزن کرنے کی طرف پہلا قدم ہے۔

۳۔جماعت دوم سے آہستہ آہستہ بتدریج نئے تصورات جیسے کچھ بچے ماحولیات میں دلچسپی رکھتے ہیں تو ان کے لیے موسم کی تبدیلی، پودوں کی اقسام کے متعلق معلومات دی جائیں، اس کے علاوہ سائنس، انسانی جسم کے بارے میں معلومات، بجلی، کمپیوٹر، ٹیکنالوجی، جدید آلات کو ان کی ضرورت اور دلچسپی کے مطابق شامل کیا جائے۔

۱۲۔نصاب میں کمی:

۱۔شامل نصاب کتب میں ضروری اور بنیادی معلومات کو شامل کیا جائے، غیر ضروری مواد اور بار بار دہرائے جانے والے اسباق کو کتاب سے ختم کیا جائے۔

۲۔طویل اسباق کو ختم کر کے قصیر کیا جائے، مشکل الفاظ جو طلباء کو آسانی سے سمجھ نہ آسکیں ان کی جگہ آسان الفاظ کا استعمال، کتابی علم سے زیادہ عملی سرگرمیوں پر توجہ دی جائے تاکہ کم مواد سے زیادہ سیکھا جاسکے یہ ان کے بوجھ کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

۳۔نصاب تشکیل دیتے ہوئے میں بچوں کی دلچسپی، فطری تجسس، اور ذہنی استطاعت کا خیال رکھا جائے تاکہ ان کے لیے کو سیکھنا آسان ہو۔

۱۳۔ کتابوں اور بستوں کے بوجھ کو کم کرنا:

موجودہ تعلیمی نظام میں بچوں پر کتابوں، بستوں اور ہوم ورک کا جو غیر ضروری بوجھ ڈالا گیا ہے، وہ نہ صرف ان کی جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ ان کی ذہنی، نفسیاتی اور فکری نشوونما میں بھی رکاوٹ کا باعث بن رہا ہے۔ یہ نظام تعلیم بچوں کی فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے بجائے انہیں ایک مشینی سانچے میں ڈھال رہا ہے جو کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالی کسی بھی بندے پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[14]

ترجمہ: اللہ کسی جان پر اس کی طاقت کے برابر ہی بوجھ ڈالتا ہے۔

اللہ تعالی کسی بھی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا تو ہمارے نظام تعلیم میں معصوم بچوں پر ایسا بوجھ کیوں ڈالا جارہا ہے جو ان کی استطاعت سے بہت زیادہ ہے۔

ہمیں تعلیم کو بوجھ کے بجائے دلچسپی، خوشی اور جستجو کا ذریعہ بنانا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ ابتدائی درجات میں نصاب کو مختصر اور سادہ رکھا جائے۔ تعلیم کے مؤثر اور پائیدار نتائج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس زبان میں ہو جس میں سیکھنے والا **سوچتا، سمجھتا اور محسوس کرتا ہے**۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمی ماہرین اور تحقیقی ادارے مادری زبان کو تعلیم کے ابتدائی درجات کا سب سے مؤثر ذریعہ گردانتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کی مؤثر وضاحت اور حکمت قرآن کریم کی آیت مبارکہ کی روشنی میں ہمارے سامنے موجود ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَ مآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِه لِيُبَيِّنَ لَهُمْ [15]

ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان کے ساتھ ہی بھیجا تا کہ وہ انہیں واضح کر کے بتادے۔

یہ آیت اس اصول کی وضاحت کرتی ہے کہ تعلیم، ہدایت اور فہم کا رشتہ زبان سے منسلک ہے، اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی قوم کی اصلاح اور تربیت کے لیے کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو اس کی تعلیمات اس قوم کی زبان کے مطابق تھیں تاکہ زبان کے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے نبی کا پیغام براہِ راست لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو سکے، کیونکہ جب سننے والا اپنی زبان میں سنتا ہے، تو مفہوم صرف بہتر طور پر سمجھ نہیں آتا ہے بلکہ سننے والے پر دیرپا اثر بھی چھوڑتا ہے۔ اگر کوئی نبی ایسی زبان میں گفتگو کرتا جو قوم کے لیے اجنبی ہوتی تو قوم کو پہلے زبان سیکھنا پڑتی جو کہ فطری مزاحمت اور مشکلات کا سبب بنتا۔

اس لیے انسان اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں جو زبان سیکھتا ہے، وہی اس کے جذبات، احساسات اور شعور کی پہلی زبان بنتی ہے۔ جو کہ سوچنے اور سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اور تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے۔

14 : البقرۃ۲: ۲۸۶

15 : ابراہیم ۱۴: ۴

جب بچوں کو ایسی زبان میں تعلیم دی ئے ہے جس پر وہ قدرت نہیں رکھتے تو ان کا ذہن مفہوم کی بجائے ترجمے میں الجھا رہتا ہے جو کہ ان کی تخلیقی صلاحیتیں کو محدود کر دیتا ہے اور وہ تعلیم کو خود پر جبر سمجھتا ہے۔ لیکن اگر بچے کو اسی زبان میں تعلیم دی جائے جو وہ گھر اور ماحول سے سیکھ رہا ہو تو اس کی سیکھنے کی رفتار میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپی بھی پیدا ہوتی ہے اور اس کے اندر اظہار کی ہمت ، استقلال اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت جیسے عظیم مقصد کے لیے ہر قوم کو اس کی اپنی زبان میں پیغام پہنچایا، تو ہمارے لیے بھی یہ لازم ہے کہ ہم اپنی تعلیمی پالیسیوں کو اسی فطری اصول پر استوار کریں۔ بچے کی ابتدائی تعلیم اگر اس کی مادری زبان میں ہو تو نہ صرف وہ زیادہ آسانی سے سیکھتا ہے بلکہ اس کا شعور، تخیل اور فہم بھی بہتر طور پر نشو و نما پاتا ہے۔ زبان صرف بات چیت کا وسیلہ نہیں بلکہ وہ ذریعہ ہے جس سے بچہ دنیا کو سمجھتا ہے، سوال کرتا ہے، خیالات پروان چڑھاتا ہے اور اپنا وجود مکمل کرتا ہے۔ تعلیم کا آغاز اسی زبان سے ہونا چاہیے جو بچے کے دل و دماغ کے سب سے قریب ہو، جس زبان میں وہ اپنے جذبات بیان کرتا ہے، اپنے خواب بُنتا ہے اور اپنے ارد گرد کی دنیا سے جڑتا ہے۔

اسلام دینِ علم ہے جو انسان کو جہالت سے نکال کر معرفت اور اخلاق کی روشنی عطا کرتا ہے۔ اسلام میں دنیاوی اور دینی تعلیم کی تفریق نہیں، بلکہ مقصد ایسا باکردار انسان بنانا ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہو۔ موجودہ تعلیمی نظام اگرچہ ماہرین پیدا کر رہا ہے لیکن اخلاقی اقدار اور خدمت خلق سے خالی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اصل علم وہ ہے جو انسان میں تقویٰ، ہمدردی، انصاف اور خدمتِ انسانیت کا جذبہ پیدا کرے۔ ترقی اور خوشحالی اسی وقت ممکن ہے جب تعلیم کو ہر فرد کا بنیادی حق مان کر اسے کردار سازی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ جوڑا جائے تاکہ ایک مثالی اور متوازن معاشرہ تشکیل پا سکے۔ ان تمام تجاویز پر عمل پیرا ہو کر ہم ممکنہ حد تک ان تمام مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔